نسیم عباس چوہدری

قرۃ العین حیدر کے غالب سے ذہنی روابط

This research article deals with Qurat-ul-ain Hider's mentally relationship with a well-known poet, Mirza Asaad Allah Khan Ghalib. She often has utilized verse and a part of line of poetry from the renowned poet Ghalib in her novels and short stories. She wrote a novel "Gardish-e-Rang-e-Chaman". It's name is taken from Ghalib,s verse. She also takes the theme of the short stories from the poetry of Ghalib. In her devotion with Ghalib, she looks so blind that her characters even become the mouthpiece of Ghalib,s line and verse in her novels and short stories.

قرۃ العین حیدر اردو ادب کی ایسی مایہ ناز نثر نگار ہیں جس پر اردو ادب کا قصر ستون فخر سے قائم و دائم رہےگا۔انہوں نے دیگر اردو ادبا اور شعرا کی مانند اردو ادب کے اساتذہ شعرا سے استفادہ کیا جن میں علامہ اقبال، جگر مراد آبادی، فیض احمد فیض، فانی اور مرزا اسد اللہ خاں غالب جیسے نامور شعرا کے نام شامل ہیں۔قرۃ العین حیدر نے ان شعرا کے اشعار کے مصرعوں سے متاثر ہوکر اپنی تصانیف کے نام تجویز کیے۔انہوں نے سب سے پہلے علامہ اقبال کے افکار و نظریات سے متاثر ہوکر ایک افسانوی مجموعہ ''ستاروں سے آگے'' مکتبہ جدید لاہور سے پہلی بار ۱۹۴۶ء میں شائع کروایا۔اس افسانوی مجموعے کا عنوان علامہ اقبال کے اس شعر سے منسوب کیا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　　اَبھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

بعد از اں قرۃ العین حیدر نے پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' 1949ء میں شائع کروایا جو ۲۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس ناول کا نام مصنفہ کے شاعرانہ مزاج اور شاعرانہ اسلوب کا آئینہ دار ہے۔جس کا نام علامہ اقبال کے اس شعر پر رکھا گیا ہے۔

میرے بھی صنم خانے، تیرے بھی صنم خانے　　　دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی　(بال جبریل)

قرۃ العین حیدر نے علامہ اقبال کے ایک اور شعر کے نام ایک اور ناول ''کارِ جہاں دراز ہے'' منسوب کیا ہے جو تین جلدوں پر مشتمل سوانحی ناول ہے۔جس میں انہوں نے اپنے خاندان کے تعلقات کا تذکرہ علامہ اقبال کے خاندان کے ساتھ کیا ہے۔اس ناول کی پہلی جلد ۱۹۷۷ء میں، دوسری جلد ۱۹۷۹ء میں مکتبہ جدید اردو ادب لاہور نے شائع کی، جب کہ تیسری جلد ۲۰۰۱ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔ان تینوں جلدوں کو سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ایک جلد میں یکجا کیا ہے۔اس ناول کا نام علامہ اقبال کی تصنیف ''بال جبریل'' کی تیسری غزل کے چھٹے شعر سے ماخوذ کیا ہے۔

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں　　　کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر

قرۃ العین حیدر نے سفرِ ایران پر مبنی ایک سفرنامہ ''کوہِ دماوند'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔''کوہِ دماوند'' ایران میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔قرۃ العین حیدر نے علامہ اقبال کے درج ذیل شعر سے اس سفرنامے کا نام منسوب کیا ہے۔

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش　　　خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

۱۹۵۶ءکو دوران قیام پاکستان قرۃ العین حیدر نے اپنا مشہور و معروف ناول ''آگ کا دریا'' بھی تحریر کرنا شروع کیا جو ۱۹۵۹ء میں پہلی بار شائع ہوا۔اس ناول کا مطالعہ کرتے ہی ذہن جگر مراد آبادی کے اس مشہور شعر کی جانب چلا جاتا ہے۔

؎ یہ عشق نہیں آسان اتنا سمجھ لیجئے　　　اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

قرۃ العین حیدر نے ایک اور ناول ''آخر شب کے ہمسفر'' تحریر کیا۔اس ناول کا نام بھی دیگر ناولوں کی مانند شعریت میں ڈوبا ہوا ہے جو فیض احمد فیض کے اس شعر سے اخذ کیا گیا ہے۔

؎ آخر شب کے ہمسفر فیض نجانے کیا ہوئے　　　رہ گئی کس صبا صبح کدھر نکل گئی

قرۃ العین حیدر نے ایک طویل کہانی ''فصل گل آئی یا اجل آئی'' جسے ایک ناولٹ کے روپ میں شائع کیا ہے جو ایک صد سات صفحات تک پھیل گیا ہے۔اس ناولٹ کا عنوان فانی کے اس شعر کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے جس کا تذکرہ اس ناولٹ کے پیش لفظ کے صفحہ پر ملتا ہے۔

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں درزنداں کھلتا ہے　　　کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا (فانی)

''گردش رنگ چمن'' قرۃ العین حیدر کا ایک اور اہم ناول ہے۔اس ناول کا نام بھی مصنفہ کے شعری ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔لہذا اس ناول کا نام 'گردش رنگ چمن' مرزا اسد اللہ خاں غالب کے تخیل کی دین ہیں جو قرۃ العین حیدر نے اس کتاب کے ٹائٹل پر تحریر کیا ہے۔

؎ عمر میری ہو گئی صرف بہار حسن یار　　　گردش رنگ چمن ہے ماہ و سال عندلیب (۱)

قرۃ العین حیدر نے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے اشعار سے نہ صرف استفادہ کیا ہے بلکہ غالبیات میں اضافہ کرتے ہوئے اس کی معلومات میں بھی اضافہ کیا ہے جو ان کی دیگر تصانیف میں بھی واضح انداز میں نظر آتا ہے۔وہ اردو ادب کے ان مایہ ناز شعرأ کو اپنے لئے سرمایہ حیات تصور کرتی ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے باعث فخر تصور کرتی ہے لیکن اردو ادب کے ادبا اور شعرأ سے گلہ کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں کہ وہ ان عظیم شعرأ پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کے افکار و نظریات پر عمل نہیں کرتے جس بات کا قرۃ العین حیدر کو شدید شکوہ ہے۔

''دعوے تو آپ کو بہت ہیں۔ہم انٹیلیکچول ہیں (بہت ہیبت ناک لفظ ہے) ہم معاشرے کا ضمیر ہیں ہم میر و غالب و حالی و اقبال کے وارث ہیں۔تہذیب کے محافظ ہیں (وغیرہ وغیرہ)۔اپنے آپ کو 'ادیب'' کہلا کر پھولے نہیں سماتے مگر جو حالت ہے وہ یہ ہے۔''(۲)

قرۃ العین حیدر کے ہاں مرزا اسد اللہ خاں غالب کے اشعار کے مصرعے نمایاں طور پر ملتے ہیں جن میں ان کی ایک تصنیف ''جہان دیگر'' کے ایک باب کا عنوان ''خیاباں خیاباں ارم'' ہے۔جس سے غالب کے اس شعر کی طرف واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں　　　خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں (۳)

اسی طرح قرۃ العین حیدر نے اپنی ایک اور تصنیف ''کار جہاں دراز ہے'' میں ایک باب کا نام ''بلبل کے کاروبار'' تحریر کیا ہے جو مرزا اسد اللہ خاں غالب کے درج ذیل شعر سے ماخذ ہے۔

؎ بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل　　　کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا (۴)

قرۃ العین حیدر نے جہاں ناول، ناولٹ، افسانے تحریر کیے ہیں وہاں انہوں نے سفرنامے بھی بڑی فنی بصیرت کے ساتھ لکھے ہیں۔انہوں نے اپنے سفر ایران پر مبنی ایک تصنیف ''کوہ دماوند'' تحریر کرتے ہوئے اس سفرنامے کا مقصد بیان کیا ہے۔یہ سفر انہوں نے ۱۹۷۰ء میں طے کیا تھا۔قرۃ العین حیدر نے اس تصنیف کے پیش لفظ اور درمیان میں بڑے فخریہ انداز میں درج

کیا ہے کہ انہیں ملکہ ایران فرح شاہ پہلوی اور شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کی داستان بڑے دلچسپ انداز میں خود ملکہ کی زبانی سننے کا موقع ملا ہے کہ کس طرح فرح شاہ پہلوی ایک مڈل کلاس ایرانی لڑکی ملکہ ایران بنی اور ''کوہ دماوند'' تحریر کرنے کے لئے شاہ بانو ایران کی حسن نظر قرۃ العین حیدر جیسی ادیبہ مشرق مسلم خاتون پر پڑی۔ جس بنا پر قرۃ العین حیدر کو ایک خاص طرح کا فخر حاصل ہے جس کا وہ اظہار دیگر ادبا اور شعرا کے علاوہ اپنے دوست بالخصوص راشد صاحب سے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے اس شعر کے ساتھ ان الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے کرتی ہیں۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہوا ہے (۵)

''راشد صاحب سے پچھلی بار میری ملاقات طہران میں ہوئی تھی۔ اس سے قبل کراچی میں موصوف کے خیالات میں زیادہ پختگی اور توازن آچکا ہے۔ بلحاظ سیاسی نظریات اب اتنے اینٹی انڈیا بھی نہیں رہے۔ طہران پہنچنے کے تیسرے روز جب میں نے موصوف کو ان کے دفتر فون کیا کہنے لگے اخاہ آپ اس مرتبہ کس سلسلے میں تشریف لائیں؟

عرض کیا: ۔ بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

بہت خوش ہوئے۔ فوراً اپنی کسی تازہ نظم کا ایک با موقع مصرع سنایا۔'' (۶)

قرۃ العین حیدر کے نزدیک مشرقی ادب ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے مگر اسے وہ ادبی حیثیت حاصل نہ ہو سکی جس کا وہ مستحق تھا جس بنا پر رومی، غالب اور اقبال جیسے عظیم شعرا کو بھی وہ مقبولیت نہ مل سکی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ چنانچہ وہ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

''اچھا مشرقی ادب اپنے آپ میں محصور رہتا ہے اور دوسرے درجے کی مغربی چیزیں عالم گیر شہرت حاصل کرتی ہیں۔ عزیز احمد اور ہم آپ تو خیر بونے لوگ ہیں۔ رومی، غالب اور اقبال کو اسی ترسیلی خلیج کی وجہ سے وہ عالم گیر شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو ہوئی، جو عمر خیام اور جاپانی ہائیکو نظم کو ملی''۔ (۷)

قرۃ العین حیدر کو اپنے والد محترم سے شدید محبت تھی اور ان کی وفات کا صدمہ برداشت نہ کر سکیں۔ وہ اپنے والد کی وفات کا تذکرہ غالب کے درج ذیل شعر کے ساتھ بڑے تکلیف دہ انداز میں کرتی ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم! تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟ (۸)

''یلدرم نے ۱۱ اپریل ۴۳ء کو رات کے دو بجے دفعتاً حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال کیا۔ اس وقت وہ بالکل تندرست تھے اور کچھ عرصہ قبل ہی افغانستان میں چند ماہ گزار کر آئے تھے۔ اور اس وقت ان کی یہ تمنا بھی پوری ہو گئی کہ ان کی ذات سے کسی بیماری یا طویل علالت سے دوسروں کو پریشانی یا تکلیف نہ ہو۔ یلدرم لکھنؤ کے عیش باغ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم! تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟'' (۹)

قرۃ العین حیدر اردو ادب کی وہ مایہ ناز ادیبہ ہیں جو اردو ادب کی ترقی کے لئے ہر لمحہ متفکر نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اردو کی ترقی کے لئے عہد غلامی (۱۸۵۷ء سے لے کر قیام پاکستان تک) کا تذکرہ اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ وہ اردو ہندی تنازعہ کا ذکر کرتے ہوئے باور کرانا چاہتی ہیں کہ دار المصنفین، اردو ترقی انجمن، ترقی پسند مصنفین نے اس سلسلے میں کافی کاوش کی ہے۔ چنانچہ اردو ہندی تنازعہ کے باوجود اہل ہند مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے ہیں اور غالب کو گھر گھر پڑھا جا رہا ہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے کلام سے اردو زبان کو ایک شہرت دوام نصیب ہوئی ہے۔ لیکن حکومت ہند اردو ہندی تنازعہ کو فروغ دے کر اپنے حصول مقاصد کے لئے کوشاں نظر آتی ہے۔ قرۃ العین حیدر جس کا تذکرہ بڑے گہرے

رنج والم کے ساتھ ان الفاظ میں کرتی ہے۔

''شری واتسائن نے مجھ سے کہا۔ الہ آباد کی ہندوستانی اکیڈمی کی طرف سے ہر سال اردو اور ہندی کی کتابوں کو انعام دیا جاتا تھا۔ اب کیسے یہ طے کیا گیا کہ صرف ہندی میں کام ہوگا اردو میں تصنیف و تحقیق کا سلسلہ اب ختم کر دیا جا چکا ہے۔ صرف ایک میں تھا جس نے اس تجویز کے خلاف ووٹ دیا مگر خالی میرے ووٹ سے کیا ہو سکتا ہے۔'' کمال ہے فلموں کی خالص اردو ہے۔ مشاعروں کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو کے شعرا کا کلام ہندی میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ مرزا غالب کو گھر گھر پڑھا جاتا ہے۔ کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ جن میں بار بار استدعا کی جاتی ہے کہ اردو کی حق تلفی نہ کی جائے مگر حکومت کی پالیسی..........''(۱۰)

کلام غالب کو ایک مخصوص شہرت دوام حاصل ہے چنانچہ غالب خود ہی اپنی شاعری کی عظمت کا واضح اظہار اپنے کلام میں کر گئے تھے۔ بقول غالب:

؎ جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشک غالب　　　گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں (۱۱)

اسی بنا پر قرۃ العین حیدر بھی کلام غالب کی معتقد ہیں اور اُسے سننے کی شوقین نظر آتی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھارت میں غالؔب کی شاعری کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ گایا گیا۔ جب کلام غالب کی ریکارڈنگ پاکستان پہنچی تو اس کی طلب میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ جس کا قرۃ العین حیدر کے ہاں بڑی بے اضطرابی کے ساتھ اظہار ملتا ہے۔

''صبح کو سارا قبیلہ ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا اور بڑا انگل بج رہا تھا کہ جہاں آرا آپا کی لاڈلی ٹین ایج لڑکی شمس آرا بھاگتی ہوئی اندر آئی اور بولی۔ ابھی پندرہ نمبر میں انڈیا سے ''مرزا غالؔب'' کے ریکارڈ آئے ہیں۔ چلئے جلدی سے چل کر ان کو ٹیپ کر لیں۔ اُٹھئے۔'' (۱۲)

قرۃ العین حیدر غالؔب کی شاعری سننے کی اس قدر دلدادہ اور شوقین ہیں کہ ان کے دل و دماغ پر غالؔب کی شاعری چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ اس سلسلہ میں پرانے ریکارڈ سننے کے لئے بے قرار نظر آتی ہے لیکن ریکارڈوں کی سوئیوں کی دستیابی نہ ہونے کے سبب پرانے ریکارڈ سننے میں ناکام رہتی ہے چنانچہ سوئیوں کی ڈبیا تو نہ ملی البتہ پرانے ریکارڈوں کے ڈبے پر ایک شاعری کی بیاض مل گئی جس کے سرفہرست پہ غالؔب کے درج ذیل شعر کا ایک مصرع تحریر تھا۔ جس سے قرۃ العین حیدر کی غالبیات سے دلچسپی کا عنصر نمایاں ملتا ہے۔

؎ آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج　　　اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیور کی (۱۳)

''ہم سوئیوں کی ڈبیہ ڈھونڈ رہے تھے۔ نہیں ملی'' ظہیر نے اطلاع دی۔

''گراموفون کی سوئیاں بازار میں بھی دستیاب نہیں ہیں جب سوئیاں ناپید ہوں تو پرانے ریکارڈ کیسے بجیں اور ہم نے دیکھا کہ کیا نایاب اور انمول پرانے ریکارڈ یہاں موجود ہیں'' رفیع میاں نے تاسف سے کہا۔

''جی جناب جب سوئیاں ناپید تو پرانے ریکارڈ کیسے بجیں'' جتو بھائی نے دہرایا۔'' اور جب رسم الخط کو پڑھنے والا کوئی نہ بچا تو یہ کتابیں کیسے پڑھی جائیں گی۔'' انہوں نے کتابوں کی الماریوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ہمیں سوئیوں کی ڈبیا تو نہ ملی البتہ ریکارڈوں کے ڈبے میں یہ کاپی بک مل گئی۔'' رفیع میاں نے کہا'' گھریلو شاعری کی بیاض'' شام کے وقت ہم لوگ ڈرائنگ روم میں جمع پرانے ریکارڈ سننے کے منتظر تھے لیکن افسوس کہ موسیقی کے اس خزانے کی کنجی ہی گم گئی۔ جتو بھائی نے پھر ایک آہ سرد کھینچی۔'' یہ گراموفون اور اس کے ریکارڈ اب collector,s items ہیں'' انہوں نے کاپی بک رفیع میاں کے ہاتھ سے لی۔ بیاض کے پہلے صفحے پر لکھا تھا۔

؎ اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیور کی　　بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا۔"(۱۴)

قرۃ العین حیدر اردو ہندی تنازعہ کے موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے حکومت ہند کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک کرتی ہے کہ حکومت اس مسئلے کو یونہی ہوا دیتی ہے۔ حکومت عوام میں کبھی اردو ہندی تنازعہ، کبھی ہندو کلچر اور مسلم تہذیب، کبھی مسئلہ کشمیر اور پانی کے مسائل کو پیش کر کے عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا کر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ قرۃ العین حیدر حکومت ہند پر تنقید کرتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے درج ذیل شعر کی روشنی میں اسے دماغ کا خلل قرار دیتی ہے۔

؎ بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل　　کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا(۱۵)

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ ایک انگریز نے قریب آ کر خوش دلی سے میری بات کاٹی۔ کچھ نہیں ہم اپنے خاندانی جھگڑوں پر زندگی اسی رونے پیٹنے میں بیتی جا رہی ہے۔ اردو ہندی کا جھگڑا۔ ہندو کلچر اور مسلم تہذیب کا جھگڑا، کشمیر اور نہری پانی کا جھگڑا......آپ نے کس قدر الٹی بات کی۔ آپ نے آزادی کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔ اچھے خاصے امریکہ میں رہتے بستے الٹے آہنی پردے کے پیچھے کیوں آ گئے۔ اسے خللِ دماغ کہتے ہیں۔"(۱۶)

قرۃ العین حیدر نے اپنے سفرنامہ "جہانِ دیگر" میں ہندوستانی تہذیب و تمدن کا ذکر کرتے ہوئے امریکن تہذیب و تمدن سے موازنہ کیا ہے کہ شکاگو 'ہواؤں کا شہر' ہے جہاں چھ یونیورسٹیاں ہیں' ان گنت تھیٹر ہیں اور اورئینٹل آرٹ کے اندر اشوریہ اور مصر قدیم کے ایوانوں میں معلمات طلباً کو درس و تدریس دیتی پھرتی ہیں۔ یہاں کوئی انگریز یا جرمن یا اطالوی گوئٹے یا شکسپیئر کا قصیدہ نہیں پڑھتا مگر ہمارے ہاں بات بات پہ مرزا اسد اللہ خاں غالب، ٹیگور اور کالیداس کی تعریفوں کے انبار لگائے جاتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر امریکہ میں بھی اپنی تہذیب و تمدن کو واضح کرنے میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کو ایک نمایاں مقام دیتی ہیں۔ جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

"یونیورسٹی آف شکاگو کے مشہور عالم انسٹی ٹیوٹ آف اورئینٹل آرٹ کے اندر اشوریہ اور مصر قدیم کے ایوانوں میں استانیاں طلباً کی ٹولیوں کو لیکچر دیتی پھر رہی تھیں۔ مصر کی ہر اچھی چیز کا رشتہ ناعہد فراعنہ سے جوڑتی ہے۔ ہمارے ہاں بات بے بات اشوک یا شاہجہاں یا اورنگ زیب یا شواجی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں کالی نعم البدل ہے۔ کوئی انگریز یا جرمن یا اطالوی اُچھل اُچھل کر شکسپیئر اور گوئٹے اور مائیکل اینجلو کے گُن نہیں گاتا۔ ہم کالیداس' ٹیگور' غالب کا وظیفہ کرتے کرتے بے حال ہو جاتے ہیں۔ بھوکوں مر رہے ہیں' حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں مگر اپنی کلچر کا راگ الاپنے سے باز نہیں آتے۔"(۱۷)

قرۃ العین حیدر نے اردو ادب کے عظیم شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے آبا و اجداد کے شہر سمرقند و بخارا کا بھی ذکر اپنے ایک اور سفرنامہ "گلگشت" میں خراجِ تحسین کے ساتھ کیا ہے۔ قرۃ العین حیدر ۱۹۶۹ء میں روس روانہ ہوئیں۔ یہ وہی سال ہے جو اردو کے عظیم شاعر غالبؔ کی صد سالہ برسی ہے۔ اس برسی میں شرکت کی بنا پر قرۃ العین حیدر کو پہلی بار ملک روس اپنا سا محسوس ہوا جس کے متعلق وہ ان الفاظ میں ذکر کرتی ہیں۔

"ہندوستان اور آبائی وطن ترکستان کے یہ انقلابات دیکھنے اور ان کے متعلق سننے کے بعد اس مغل بچے نے جس کا نام مرزا اسد اللہ خاں غالب تھا، شاہجہاں آباد میں رحلت کی۔ سو (۱۰۰) برس بعد اس کی "صدی" دھوم دھام سے ہندوستان، پاکستان اور مرزا کے آبائی شہر سمرقند میں منائی گئی۔ اس

گھما گھمی کے کچھ عرصے بعد پہلی بار جانا راقم الحروف کا ملک روس ہوا۔" (۱۸)

قرۃ العین حیدر نے اپنے اسی سفرنامہ" گلگشت" میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کے آبائی شہر سمرقند کا حوالہ دیتے ہوئے مرزا غالب کے آبا ؤ اجداد کے وطن پر روشنی ڈالتے ہوئے تفصیلاً ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تاشقند اور سمرقند جیسے شہروں کے متعلق بتایا ہے کہ روس نے انہیں کس دور میں ہڑپ کیا۔

"چندرھویں صدی عیسوی میں والگا کے کنارے دشتِ قپچاق میں ازبک قوم کا ظہور ہوا تھا۔(ان کے سردار شیبانی خان ازبک نے ماوراالنہر کی سلطنتِ تیموریہ کو فتح کیا تھا جس کے بعد ازبک لوگ ترکستان میں آکر بسے)تو مرزا غالب کے اجداد اسی قپچاق میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ جب ازبک کو زار روس کے جنرل کاف مین تاشقند و سمرقند و بخارا میں ضرور مطلع کیا ہے مرزا غالب نے کہ اردوئے معلٰی کے خانِ اعظم تھے تسخیر سمرقند و بخارا کی خبر ضرور خراب آباد دلی کے اردو اخباروں میں پڑھی ہوگی۔مارچ ۱۸۶۸ء میں بخارا کے امیر مظفر الدین نے روس کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور ناکام رہے۔اہلِ مغرب ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے خلاف اہلِ دلی لکھنؤ کے اعلانِ جہاد کا حشر دیکھ چکے تھے۔۱۸۷۳ء میں جیوا کا فیصلہ ہوا۔جنرل کاف مین کے صلح نامے پر سید محمد رحیم خان امیر خیوا نے لکھا کہ وہ روس کا ادنیٰ ملازم ہے۔" (۱۹)

قرۃ العین حیدر اردو ادب میں غالب کا مقام متعین کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند میں انہیں عظمت کی بلندیوں تک پہنچاتی ہوئی نظر آتی ہیں ۔وہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو ادب میں مقام دلانے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی معاشرے میں بھی رکھ رکھاؤ کے ساتھ کتب خانوں کے علاوہ دیوان خانوں کی بھی سجاوٹ اور حسن کا باعث قرار دیتی ہے۔یہ گھر بے شک امرا کے ہوں یا کسی طوائف کے ہوں ہندوستان میں غالب کو گھر گھر پڑھا جاتا ہے۔یہی معلومات غالب سے دلچسپی کا عنصر نمایاں ظاہر کرتی ہیں۔

"دوسرے روز شام پانچ بجے قمرن اور تمیلاں رُرقعے اوڑھ نظر باغ فرہاد صاحب کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچیں۔بالائی منزل کی بالکونی میں میاں فرہاد انتظار ساغر کھینچ رہے تھے۔اشرے پر اوپر بلایا۔تمیلاں کے لئے نئی بیسا کی آ گئی تھی مگر اُسے زینہ چڑھتے ہوئے دقت ہوتی تھی۔فرہاد خود دوڑے ہوئے نیچے گئے اس بے چاری کو سہارا دے کر دوسری منزل پر لائے۔گیلری میں ایک دروازے پر بورڈ لگا دیا تھا۔نریندر کمار ورما جوئلسٹ (گولڈ میڈلسٹ)راکٹرایندآرٹ ایڈوائزر،اندر کمرہ منہ سے بول رہا تھا کہ ایک نخالص انٹلکچیل کی بیٹھک ہوں۔دیواروں پر چغتائی کے پرنٹ۔ایک طرف غالب دوسری طرف ٹیگور۔کونے میں فلور لیمپ' بک شیلف میں اردو انگریزی کتابیں۔نیچی طویل میز پر اردو کے ترقی پسند جریدے اور چند تازہ تازہ پاکستانی رسالے۔فرش پر رنگین چٹائی کشتی میں اسٹوڈیو پاٹری کا ٹی سیٹ۔صاحب خانہ فرش پر بیٹھے ریڈیو اسٹیشن والے دوست سے مصروف گفتگو تھے۔ایک دیوان پر ایک نازک اندام گوری سی سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی معمولی فائی ساری پہنے سہمی بیٹھی تھی۔" (۲۰)

اسی طرح ایک اور جگہ پر دیوانِ غالب کی اہمیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"تلسی کا منقش گملہ عین وسط میں رکھا تھا۔سامنے کی دیوار پر کسی موٹے سرمنڈے مَت کی تصویر آویزاں تھی۔برآمدے کے سرے پر دوسری برجی، جو چھتر منزل کے رُخ پر تھی، اس میں لڑکیوں کا

> بھائی سوتا تھا، وہ مزے سے ہلکی تالائی تانے کھڑکی کے سامنے سنا رہا تھا۔ قریب ٹیبل فین گھوں گھوں کر رہا تھا۔ بر جی کے آٹھوں دروازے چوپٹ کھلے ہوئے تھے اور بڑی ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی۔ کمرہ کافی وسیع تھا۔ الماریوں میں ڈھیروں کتابیں رکھی تھیں۔ فارسی، اردو اور انگریزی کی کتابیں۔ پلنگ کے نزدیک والی میز پر دیوانِ غالب رکھا تھا اور ٹیگور کی گرنتھا ولی اور ایلیٹ کا ویسٹ لینڈ۔ ایک طرف کو اردو کے نئے ترقی پسند رسالوں کے انبار لگے تھے اور پائنیر اور لیڈر کے پرچے اور انگریزی کے ادبی رسالے جو کلکتے اور بمبئی سے نکلتے تھے۔'' (۲۱)

قرۃ العین حیدر نے غالب کے مصرعوں کو اپنی نثر میں اس قدر خوبصورتی سے زینت بخشی ہے کہ اُسے اعلیٰ پائے کی نثر نگار بننے میں معاونت ملی ہے جو اس کی نثر کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے ایک افسانہ ''اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجیو'' میں ایک ڈپٹی صاحب کی زبانی اپنی بیگم ڈپٹیا ئین کے حسن کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں غالب کے اس شعر کی روشنی میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

تو اور آرائشِ خمِ کاکل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز (۲۲)

> ''فرقان منزل کے زنان خانے ڈپٹی صاحب آرام کرسی پر بیٹھے آگے کو جھکے ایک ابرو اٹھا کر سر پر خضاب لگا رہے تھے اور محوِ آرائشِ جمال تھے۔ دفعتہً انہوں نے کہا۔ ''بیوی ہم رشکِ قمر سے متعہ کرلیں؟'' ڈپٹیا ئین نے آئینہ اسٹول پر رکھا اور وصلی کی اونچی ایڑیوں والی جوتیاں گھسیٹتی چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور اندر جا کر مسہری پر بیٹھ گئیں۔'' (۲۳)

قرۃ العین حیدر نے کئی اور مقامات پر مرزا اسد اللہ خاں غالب کے مصرعوں کو انتہائی چابکدستی سے استعمال کیا ہے کہ عام قاری انہیں محسوس ہی نہیں کر سکتا مگر ایک غالب شناس فوراً محسوس کر لیتا ہے کہ قرۃ العین حیدر کی زبان میں غالب بول رہا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ان مصرعوں کو بڑے احسن طریقہ سے بیان کیا ہے جو غالب کے اس شعر کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا (۲۴)

قرۃ العین حیدر نے غالب کے مندرجہ بالا شعر کی روشنی میں رخشندہ نامی کردار کے ذریعے اپنے ناول ''میرے بھی صنم خانے'' میں ایک بورژا طبقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے فکرِ معاش و فکرِ محبوب سے مبرا قرار دیا ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے لئے یہ دونوں افکار معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ پریشانیاں صرف اور صرف نچلے طبقہ کے لوگوں کا حصہ ہوتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے غالب کے افکار سے استفادہ کرتے ہوئے غالب کی زبان میں غمِ روزگار اور غمِ جاناں جیسے تفکرات سے آزاد قرار دیا ہے۔

> ''دوسری صبح رخشندہ کنور صاحب کے ساتھ چاء پی کر اوپر سے اترنے کے بعد اپنے ڈریسنگ روم کی کھڑکی میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ آج کے طویل اور اوگھتے دن میں اُسے کون کون سے بیکار کام کرنے ہیں۔ گرمیوں کی چھٹیاں ابھی بہت سی باقی تھیں۔ اب تک نینی تال جانے کا پروگرام نہیں بنا تھا اور نیا دن ایک ہی سا طلوع ہوتا تھا۔ اس نے دریچے سے باہر نظر ڈالی۔ دنیا یقیناً بہت بشاش تھی۔ زندگی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ پھولوں کی کیاریوں میں پولو کے کتے تتلیوں کے تعاقب میں مصروف تھے۔ بڑی سہانی صبح تھی۔ کچھ ایسا وقت تھا۔ جس کی فضا سے متاثر ہو کر ایک بار براؤننگ نے لکھا تھا کہ دنیا میں ہر چیز بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اللہ میاں مزے سے اپنی جنت میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بہت ہی خوش ہے۔ دنیا سے اس کی مکمل صلح ہے۔ اس کا جی چاہا کہ خوب مزے سے باتیں کرے۔ سائیکل پر بنارسی باغ کی خاموش اور سایہ دار سڑکوں کے چکر لگائے

۔ڈائمنڈ گئی کرسٹابل اوما اور اپنی دوسری سہیلیوں کی پوری بریگیڈ کے ساتھ اسی وقت نیو انڈیا کافی ہاؤس پہنچ جائے اور وہاں اپنے پسندیدہ کونے میں کرسی پر اکڑوں بیٹھ کر خوب چلا چلا کر باتیں کرے اور قوالی گائے۔غسل خانے میں چھپ کر پی جو کے سارے سگریٹ پی ڈالے۔اپنے سب دوستوں کو یہ خبر سنائے کہ فی الحال وہ غم دوراں اور غم جاناں کی ہر فکر سے آزاد ہے۔‘‘(۲۵)

قرۃ العین حیدر نے ’’غم روزگار‘‘ کو ’’میرے بھی صنم خانے‘‘ میں ایک اور جگہ پر رخشندہ نامی لڑکی کے حوالے سے بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

’’اس نے بہت آہستہ کرول کو فون کرنے کے لئے رسیور اٹھایا۔اس وقت اس کا شدت سے جی چاہا کہ کسی طرح اس ماحول اس دنیا سے نکل بھاگے۔غم دل ہی کیا تھوڑا تھا کہ اوپر سے غم روزگار بھی سر پر آن پڑا۔‘‘(۲۶)

قرۃ العین حیدر ہندوستان جیسے ملک اور ہندوستانی تہذیب وتمدن کی معتقد نظر آتی ہیں۔وہ اس ملک کی جس قدر قدیم تہذیب دیکھتی ہے اس قدر روحانی بلندی اور افلاس بھی دیکھتی ہے۔وہ اس غربت وافلاس کی ذمہ دار برطانیہ کی نوآبادیاتی نظام کو ٹھہراتی ہے مگر بعض افراد دلی خواہش رکھتے تھے کہ کاش انگریز برصغیر سے روانہ نہ ہوتے تو آج ہمارے مالی اور معاشی حالات بہتر ہوتے۔۱۹۴۷ء سے قبل اگر کسی کو معلوم ہوتا کہ عوام سالہا سال گزرنے کے بعد بھی یہی خواہش رکھیں گے تو کوئی بھی یقین نہ کرتا۔قرۃ العین حیدر برطانوی تہذیب وتمدن کا تذکرہ کرتے ہوئے برطانوی امرا اور عوام میں بنیادی تفاوت ظاہر کرتی ہیں کہ خود برطانوی امرا اور عوام کا آپس میں اس قدر اونچ نیچ کا فرق ہے کہ امرا اپنے مردے غربا کے قبرستان میں دفن نہیں کرتے بلکہ انوکھے انداز میں انوکھی قبروں میں دفن کرتے ہیں۔قرۃ العین حیدر امرا اور غربا میں اس تفاوت کو ظاہر کرتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے درج ذیل شعر کی روشنی میں بیان کرتی ہیں کہ مُردوں کو جس عالم میں بھی دفن کریں مردے مردے ہی ہیں۔جس کے متعلق غالب نے یوں کہا تھا۔

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے وہ ہر بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا (۲۷)

قرۃ العین حیدر دراصل غالب سے بے حد متاثر دکھائی دیتی ہیں وہ غالب کے افکار ونظریات کی روشنی میں فلسفہ موت کو فراموش نہیں کرسکتی چنانچہ وہ غالب کے مندرجہ بالا شعر کی روشنی میں موت کے منظر کے ساتھ ساتھ اہل یورپ کی معاشرتی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

’’آپ پہلی ہندوستانی ہیں جنہوں نے اس پروگرام میں برطانیہ کی نکتہ چینی کی ہے ورنہ عموماً جو خاص خاص ہندوستانی ہم یہاں مدعو کرتے ہیں۔وہ برطانیہ کی تعریف کرتے نہیں تھکتے.....ہندوستان میں بہت سے لوگوں نے ان سے کہا۔’’کاش انگریز نہ جاتے۔‘‘۴۷ء سے پہلے اگر کسی کو معلوم ہوتا کہ آزادی کے برسہا برس بعد لوگ ایسی خواہش ظاہر کریں گے تو کسی کو یقین نہ آتا۔جس روز صبح میں نیو اورلینز سے روانہ ہو رہی تھی۔شیری نے کہا ایرپورٹ جانے سے پہلے تم کو گارڈن ڈسٹرکٹ سے نکل کر قبرستان دکھاتی چلوں۔گارڈن ڈسٹرکٹ امیروں کا محلہ ہے اور یہ قبرستان یہاں کی خاص چیز ہے۔پُر فضا گارڈن ڈسٹرکٹ سے نکل کر قبرستان کی طرف جاتے ہوئے شیری نے کہا:’’یہاں کی مٹی دلدلی ہے۔مُردے زمین کے اندر دفن نہیں کیے جاتے سنگی میزوں کے اوپر ان کے مرمریں تابوت رکھ دیئے جاتے ہیں۔برابر کی سڑک پر سے گزرتے ہوئے میں نے نظر دوڑائی۔سفید خوبصورت مزار۔سب زمین سے بہت اونچے ڈھائی سو سال سے اس نظر فریب شہر کے باسی مرنے کے بعد ان

الوکھی قبروں میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔زمین کے اندر نہ سہی۔اوپر سہی مرزا غالبؔ کہہ گئے تھے۔جو یوں ہوا تو کیا اور یوں ہوا تو کیا۔انجام وہی ہے۔'' (۲۸)

قرۃ العین حیدر مزید غالبؔ کے افکار ونظریات کی روشنی میں فلسفہ موت کے متعلق بیان کرتی ہے کہ بڑے بڑے روساٗ اور سلاطین کو بھی موت کی وادی میں جانا پڑتا ہے۔اس سلسلہ میں موت کسی کے ساتھ لحاظ نہیں کرتی۔قرۃ العین حیدر کشمیر میں '' خانقاہ معلی'' کی رونق اور چہل پہل کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کرتی ہے کہ اس درگاہ میں ان گنت سلاطین کی قبریں کشمیری وضع کی پڑی ہیں۔قرۃ العین حیدر فلسفہ موت کا تذکرہ غالبؔ کے افکار ونظریات کی روشنی میں اس شعر کے ساتھ یوں کرتی ہے۔

سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہو گئیں   خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں (۲۸a)

''سلطان زین العابدین کی والدہ کے مقبرے کے گنبد ارمنی طرز کے ہیں۔دیواروں میں کہیں کہیں نیلے اصفہانی ٹائل باقی رہ گئے ہیں۔باہر احاطے میں بہت سے سلاطین مدفون ہیں ایک مزار بڈشاہ کا ہے جو کھلے آسمان کے نیچے محوِ خواب ہے۔ایک گھنے چنار کے نیچے سلطان حیدر شاہ کاشغری کی قبر ہے۔ہمایوں کا خالہ زاد بھائی جس نے کچھ عرصے کشمیر پر اپنے کزن کی طرف سے حکومت کی۔مزار السلاطین کے احاطے میں ان گنت قبریں ہیں۔کشمیری وضع کی۔پتلی اور مختصر سی۔سب کہاں کچھ لالہ وگل میں۔'' (۲۹)

قرۃ العین حیدر اپنے آباؤ اجداد کے متعلق تحریر کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ وہ کس طرح مشرق وسطیٰ سے نکل کر ہندوستان میں وارد ہوئے اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتے شکنتلا کی وادیوں میں داخل ہو گئے۔ان بزرگوں کے متعلق بتاتے ہوئے قرۃ العین حیدر نے '' کار جہاں دراز ہے'' جلد اول میں ''باغی سپاہی'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔اس مضمون کو تفصیلاً بیان کرتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے درج ذیل شعر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے مضمون کو تقویت اور حسن بیان کی رنگینی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

؎ آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں   غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے (۳۰)

''ایک شخص نا معلوم نحیف الجثہ ،طویل القامت،سفید فام، سیاہ ڈاڑھی،صورت سے خوش مزاجی اور نیک دلی ہویدا ہے۔طالع سازگار ہو تو طبیعت باغ و بہار ہے۔بذلہ سنج، ظریف طبیعت، ہنس مکھ، مگر قسمت ور نہیں۔کیا جانئے کون ہے۔مسافر ہے یا رہزن ہے کہ مردان غیب سے ہے یا محض ایک خانماں برباد آوارہ وطن ہے۔.....بندوق سنبھالے منڈلائی میں چھپائے سردی سے کانپتا بانس کے جھنڈ میں پہنچ کر راستہ بھول گیا۔راستہ بھول کر ان جنگلوں میں مہارانی دشینت کو شکنتلا مل گئی تھی۔یہاں ہُو کا عالم طاری ہے۔گیدڑ چلا رہے ہیں۔کہاں کی شکنتلا۔سب خام خیالی طلسم، واہمہ، داستان طرازی، حقیقت محض وہ ہے جسے لندن، کلکتے اور بمبئی کے انگریزی اخباروں کی کلیں کھٹا کھٹ چھاپ رہی ہیں۔سیسے میں ڈھلے حروف سرسر کرتے زناٹے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔صریر خامہ نوائے سروش و روش کچھ نہیں۔'' (۳۱)

قرۃ العین حیدر کے نانا میر نذر الباقر کے چھوٹے بھائی سید ظہور الحسنین جن کا انتقال بعمر چالیس برس ۱۹۱۳ء میں ہوا تھا۔ان کے متعلق قرۃ العین حیدر کی والدہ کے بھانجے میاں مصطفےٰ باقر کو نذر الباقر کے والد ایک مراسلہ تحریر کرتے ہیں کہ میرے بیٹے کا خیال رکھنا وہ ابھی کم سن ہے۔چنانچہ قرۃ العین حیدر نے اپنے پرنانا کے مراسلہ جس میں انہوں نے میاں مصطفےٰ اور ظہور الحسنین

کے متعلق تحریر کیا ہے۔اس میں مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے درج ذیل شعر کے ساتھ دعائیں دیتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ؔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار(۳۲)

''میاں مصطفیٰ باقر۔تم تو اب اسکول جاتے ہوں گے۔اچھا ہم ایک بات کہیں اگر مان لو تب۔اب تو بابا اُن کا کہنا ضرور ماننا چاہیے۔دور جو ہوئے۔صبح کو مکھن کھا لیا کرو اور دودھ پیا کرو۔چاء نہ پیو۔بس ہاں مکھن بہت سا کھایا کرنا۔اتنا کھاؤ کہ پھوپھی گھبرا اٹھیں۔آلِ حسنین طاہر ہ سیالکوٹ میں یا مراد آباد چلے گئے۔اگر مراد آباد نہ گئے ہوں تو تمہارے ساتھ اسکول داخل ہو گئے ہوں گے اور دونوں بھائی روزانہ مدرسے جاتے ہوں گے۔میاں میرے آلِ حسنین کا خیال رکھنا۔دیکھنا کہیں آزردہ نہ ہو۔اپنی خوشی اوس کی خوشی سمجھو۔وہ میر ابیٹا ہی نہیں میرا دل اور جگر ہےاور میاں تم میرے بیٹے ہو۔بیٹے کا کام ہے کہ باپ کے دل اور جگر کی پرداخت کرے۔

دونوں جیتے رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار''(۳۳)

قرۃ العین حیدر کی والدہ محترمہ نذر سجاد ظہیرہ کو ان کی ایک دوست نے خط تحریر کرتے ہوئے اپنی مصروفیات اور پریشانیوں کا تذکرہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے درج ذیل کی روشنی میں کیا ہے۔قرۃ العین حیدر نے اس خط کو' کارِ جہاں دراز ہے'میں ان الفاظ کے ساتھ ہو بہو شائع کیا ہے۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا (۳۴)

''ایلیٹ روڈ

کلکتہ ۵ جون ۱۹۱۴ء

پیاری بہن سلمک اللہ تعالیٰ

گو میں رہی رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہی

کثرتِ اشغال و ہجوم و پریشانی اور شدید امرض اس وقت بھی فراغ بال حاصل نہیں ہےاور نہ کامل صحت ہے زندہ ہوں اور آپ سی فخر قوم بیبیوں کے لئے صرف دعا گو ہوں۔آپ نے یونیورسٹی فنڈ کے لئے میرے خط میں جو کچھ لکھا تھا' اچھا لکھا تھا اور جن لوگوں کی نظروں سے گزرا سا میر انشا رتھا و گزرا ابھی۔اب اثر خواہ کچھ ہو۔نہ رود تیغ آہن در سنگ۔''(۳۵)

قرۃ العین حیدر نے جہاں اپنے دیگر افراد کا تذکرہ کیا ہے وہاں وہ اپنے ماموں حسن عسکری کی شرارتوں کا ذکر کرنا بھی نہیں بھولتی جن پر اُن کے استاد اُس کی پٹائی کرتے ہوئے غالب کا شعر بھی سناتے تھے۔جس کا تذکرہ قرۃ العین حیدر غالبؔ کے اس شعر کے ساتھ کرتی ہیں۔

ؔ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے (۳۶)

''ماموں حسن عسکری ہائی سکول میں پڑھ رہے تھے۔شام کو ایک ماسٹر صاحب گھر پہ ٹیوشن کرنے آتے تھے مجھے بھی ان کے سامنے بٹھایا گیا کہ پہاڑے یاد کرواتے رہیں۔ماسٹر صاحب ایک اُداس صورت غریب نوجوان تھے۔حسن ماموں کو پڑھانے کے بجائے زیادہ تر اُن کو اردو اشعار سنایا کرتے تھے۔کبھی پڑھاتے پڑھاتے چونک کر کہتے۔

ؔ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد غالبؔ اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

جنے بچارے پر کیا گزر رہی تھی۔''(۳۷)

قرۃ العین حیدر نے سجاد حیدر یلدرم کی سیاسی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کی کارکردگی کا بھی ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں مسلم لیگ کے دیگر کارکنان جن میں مسٹری مبارک حسین پیش پیش تھے۔انہوں نے اپنی تمام تر زندگی مسلم

لیگ کی خدمات میں بسر کی اور انگریز حکومت کے خلاف سر پیکار رہے اور ہڑتالیں وغیرہ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ۔ اگر کبھی کوئی ہڑتال ناکام ہو جاتی تو انہیں بڑا صدمہ ہوتا ۔ جس کا اظہار وہ غالب کے درج ذیل شعر کے ساتھ کرتے تھے ۔

لوگ وہ بھی کہتے ہیں کہ ''یہ بے ننگ و نام ہے'' یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں (۳۸)

''ان میں ایک مستری مبارک حسین پہلے بہت آسودہ حال تھے ۔ اپنی لاری چلاتے تھے ۔ پھر لاری احرار پارٹی کو بخش کر خان عبدالغفار خان کے بلانے پر پشاور چلے گئے ..... غرضیکہ مستری مبارک حسین اور ان کے ساتھیوں نے زندگیاں اسی جدو جہد کے لیے وقف کر دیں ۔ گھر بار تباہ کر دیے ۔ پھر معلوم ہوا کہ انقلاب فیل ہو گیا ۔ یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں ۔ اور آج ۱۹۴۱ء میں محلے کے لڑکے با لے پیپل کے تلے جمع ہو کر گا رہے ہیں ۔

کشکول گدائی لے کر پھرا مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

نقشہ ہی بدل گیا میاں''۔(۳۹)

سجاد حیدر یلدرم ایک اعلیٰ پائے کے ادیب تھے ۔ ان کی وفات پر اہل خانہ تو درکنار ادبی رفقا کو بھی گہرا صدمہ ہوا چنانچہ سر سید علی رضا نے ''سید سجاد حیدر یلدرم'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ۔ جس کی تلخیص قرۃ العین حیدر نے ''کار جہاں دراز ہے'' میں کرتے ہوئے یلدرم کے فن پر روشنی ڈالی ہے ۔ یلدرم کی تحریروں میں انہیں غالب کی شاعری کا عکس دکھائی دیتا ہے ۔ جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں ۔

''سجاد ایک ترقی پسند ادیب تھے ۔ کیا یہ کوئی عجیب دعویٰ ہے؟ بلاشبہ ترقی پسندی کے صحیح مفہوم کے اندر سجاد کا انداز نگارش ترقی پسند تھا ۔ انہوں نے اردو ادب کو ترکی کے ترقی پسند رجحانات سے متاثر کر کے قدامت کی زنجیریں توڑ دیں ...... ترجموں میں بھی اور ان کے طبع زاد افسانوں میں بھی غالب کی طرح انہوں نے الفاظ کی نئی نئی ترکیبیں ایجاد کیں ۔ ایک نیا اسلوب بیان ایجاد کیا ۔ اور دو دو چار طبع زاد مرکبات میں قوت بیان کی تمام شدت کو مرکوز کر دینے کا نیا انداز اختیار کیا ۔''(۴۰)

قرۃ العین حیدر اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور امیرانہ ٹھاٹ باٹھ کا تذکرہ بڑے فخریہ انداز میں کرتی ہیں ۔ یہی احساسات بعض اوقات اپنا خود تمسخر اڑانے کے مترادف نظر آتے ہیں ۔ وہ اپنے خاندانی وقار کو بلند رکھنے کے لئے روضہ امام علی رضا کا کلید بردار ظاہر کرتی ہے مگر اسے یہ بھی احساس ہے کہ یہ ایک شیخی بگھارنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ۔ چنانچہ بعد ازاں انہیں اس کا شدید احساس بھی ہو جاتا ہے ۔ جس کا اظہار وہ غالب کے درج ذیل شعر کا حوالہ دے کر کرتی ہے ۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے(۴۱)

''چند اماں ئی ــــ سر اٹھا کر پہاڑوں کی سمت دیکھتی ہیں ۔ یہاں سے زاہدان ۔ زاہدان سے مشہد ۔ انشاء اللہ محرم کرنے اب کی بار مشہد جاؤں گی''۔ ''یہاں سے زہدان ۔ زہدان سے تاشقند ۔ میں اور سیلویا انگور کی بیل کے پیچھے چھپ کر خفیہ سازش کر رہے ہیں ۔ بس ان پہاڑوں کے پیچھے چھپ کر ہٹ اینڈ رن ۔ ہٹ اینڈ رن ۔ لیکن سلو جو اچھو کی طرح بہت پریکٹیکل مزاج رکھتی تھیں ۔ دفعتاً چونک کر کہتیں لیکن وہاں سردی میں ہو گیا نمونیہ ــــ'' ماموں اور اماں کے بزرگ سنا ہے ۔ مشہد و نیشاپور سے آئے تھے ۔ جہاں وہ روضہ امام رضا کے کلید بردار تھے ۔ کلید کس کے پاس ہے ۔ کسی کے پاس نہیں ۔ لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب''(۴۲)

قرۃ العین حیدر نے جہاں اپنے والدین کا تذکرہ اپنی تصانیف میں کیا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے

والدین کے احباب کا ذکر بھی فخریہ لہجے میں کیا ہے۔اس سلسلہ میں انہوں نے محمد علی رودلوی پر ایک مضمون ''پکچر گیلری'' میں تحریر کیا ہے۔ان کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرۃ العین حیدر نے ان کے مجموعہ کلام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ ان کی بیٹیاں اسے شائع کروانا چاہتی ہیں جس کا عنوان غالبؔ کے درج ذیل شعر کی روشنی میں تجویز کیا گیا ہے۔

؎ میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا　　بلبلیں سُن کے مرے نالے غزل خواں ہو گئیں (۴۳)

''کوئٹہ اور ایران کا موسم دیکھ کر ہی ایرانی شاعری کی امیجری سمجھ میں آئی۔یہاں بہار میں کیفیت ہی مختلف ہے ..... شاعری کو کتنا ہی یونیورسلائز کر لو اس کی قومی بنیاد باقی رہے گی۔میاں جان نے اپنے تازہ خط میں ایک بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ٹھہرو میں تمہیں بتاتی ہوں۔زہرا ممانی نے اپنا پرس کھولا۔ان کے والد چوہدری محمد علی رودولی میں تنہا رہ گئے تھے اور اپنی بیٹیوں کو بڑے دلآویز خط لکھا کرتے تھے۔جن کا مجموعہ آپا بی ''گویا دبستان کھل گیا'' کے عنوان سے شائع کرنے والی تھیں۔'' (۴۴)

قرۃ العین حیدر کو پاکستانی محققوں اور دانشوروں سے گلہ ہے کہ وہ میر انیس، نظیر اکبر آبادی، مومن اور غالبؔ جیسے عظیم شعراٗ کو نظر انداز کر رہے ہیں اور پاکستانی تہذیب کے نام سے ان شعراٗ کو پس پردہ ڈال کر اردو ادب کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔چنانچہ وہ غالب جیسے عظیم شاعر کے ساتھ یہ ناانصافی قطعاً برداشت نہیں کر سکتی۔

''شیخ محمد اکرام آئی سی ایس نے جو اس وقت غالباً اس وزارت کے جوائنٹ سیکریٹری تھے۔اپنے دفتر میں میٹنگ بلائی ڈپٹی سیکریٹری قدرت اللہ شہاب ان کے برابر متمکن تھے اور نہایت معتبر اور سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔اکرام صاحب بہت پڑھے لکھے آدمی تھے اور پاکستانی کلچر کی تشکیل میں از حد خلوص سے کوشاں تھے۔کہنے لگے کلچرل پبلسٹی کے سلسلے میں آپ لوگ خیال رکھیے گا کہ ہمیں ایک خالص پاکستانی تہذیب کی تخلیق کرنی ہے۔مثال کے طور پر میر انیس، نظیر اکبر آبادی، مومن، غالبؔ کی بجائے ان شعراٗ کی طرف توجہ دیجئے جن کا تعلق خاص سرزمین پاکستان سے ہے۔مثلاً خوشحال خاں خٹک، رحمان بابا اور شاہ لطیف بھٹائی۔'' (۴۵)

قرۃ العین حیدر کے نام عبدالرحمٰن چغتائی کے خطوط بھی قرۃ العین حیدر کے غالبؔ کے ساتھ ذہنی روابط کو مزید ظاہر کرتے ہوئے تقویت پہنچاتے ہیں کہ قرۃ العین حیدر کو غالبؔ سے کس قدر انس تھی۔چنانچہ عبدالرحمٰن چغتائی قرۃ العین حیدر کو غالبؔ کی تصاویر اور ''نقوش غالب'' کے متعلق اپنے خط میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر کرتے ہوئے قرۃ العین حیدر کی غالبؔ سے دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔

''میں نے تین تصویریں شبیہ غالب کی صورت میں بنائی ہیں .... ویکلی کا پرچہ مجھے مل گیا تھا۔ضرور پڑھیں۔'' (۴۶)

قرۃ العین حیدر کی غالب سے اُنسیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ذہن پر غالبؔ اس قدر چھایا ہوا ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے۔؟ شکوک کے عالم میں بھی وہ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ سے اپنے دلی لگاؤ کی بنا پر اس کے نام شعر منسوب کرتے ہوئے ذکر کرنا نہیں بھولتی۔وہ اپنے ایک افسانہ ''رقص شرر'' میں دو کرداروں میں رومانس پیدا کرتے ہوئے ایک دوسرے کی محبت کا اظہار غالب کے تذکرہ کے بغیر ادھورہ تصور کرتی ہے۔

''بہر کیف آپ اطمینان رکھئے ___ میں دلّی کلاتھ ملز کے کپڑے کے کوپنوں اور پولسن مکھن کے ڈبے کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتی لیکن آپ اور عارف اور آپ کے سارے قبیلے والے لگنا رشفق کی سرخی اور شبنم کے گیت پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اگر اس وقت تمہیں بتاؤں کہ میں تم پر

بالکل ـــــ مرتا ہوں تو تم میں فوراً یہ کشتی اُلٹ دوں گی تا کہ ڈوب کر تم زیادہ آسانی سے مر سکو۔ کشتی الٹ دوں گی۔ خدا کی قسم ـــــ افوہ غالب نے کیا شاید ذوق نے خوب کہا تھا:

؎ احسان نا خدا کا اٹھائے مری بلا کشتی خدا پہ چھوڑ دوں، لنگر کو توڑ دوں" (۴۷)

قرۃ العین حیدر نے اردو ادب میں جہاں غالب کی ادبی شخصیت کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے غالب کی مزاحیہ شخصیت کو بھی منظر عام پر لانے کی کاوش کی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ غالب کے متعلق اپنے ذہن میں کئی ایک لطیفے بھی رکھتی ہے مگر سناتی نہیں بلکہ اس کا اظہار وہ ان الفاظ کرتی ہے۔

"کلب کا ہال ریلوے مزدور مرد عورتوں سے پُر تھا جو ہندوستانی ادب پر تقریر سننے کے لئے بے حد مشتاق نظر آتے تھے۔ بنگلہ دیشی ادیب نے "ٹیگور اور پیٹکس۔" "ٹیگور اور پیٹکس ـــــ" بار بار کہا۔ جس کا ترجمہ ان کے بنگالی ترجمان بورکس نے کیا اور مجھے "غالب اور ٹیگے والا" مشہور لطیفہ یاد آیا۔" (۴۸)

قرۃ العین حیدر ٹیپو سلطان کی بہادری اور عظمت کی بے حد مرغوب دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ٹیپو سلطان کی موت کو فقط غداروں کی ملی بھگت کا سبب قرار دیتی ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے مل کر ٹیپو کو سازش کے تحت شکست دی ورنہ ٹیپو کبھی بھی ان سے شکست نہ کھاتا۔ چنانچہ وہ اس سلسلہ میں انگریزوں کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہوئے ٹیپو سلطان کی شمشیر کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں طنز و مزاح کا سماں پیدا کرتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالب سے اپنی نسبت کا اظہار کرتی ہے۔

"ہندوستان دشت نشان کے مسلمان حکمران ٹیپو کے خلاف انگریزوں سے مل گئے۔ ڈاٹر۔ اس ملک کی تاریخ کا تاریک ترین دن کونسا تھا؟ ـــــ "۴ مئی ۱۷۹۹ء" روال سے ناک پونچھی۔ چند موٹریں پاس سے گزریں۔" کرنل مک ڈاول نے شمشیر علیحدہ کی۔ کرنل والٹن نے جیبی گھڑی ـــــ دوربین جسے لے کر وہ غازی میدان جنگ میں گیا تھا۔ اور ایک جڑاؤ میڈلین ـــــ اس پر اسد اللہ الغالب کندہ تھا۔" "مرزا غالب" "نہیں۔ بےوقوف۔ حضرت علیؓ شیر کا لقب ہے۔ اور سونے کی موٹھ والی چھری اور کلغی اور جواہرات اور جڑاؤ بروچ اس فوجی افسر نے محل سے لوٹے تھے اور ان کو تڑوا کر اپنی بیوی اور بیٹی کے زیورات بنوائے۔ اس کا نادر کتب خانہ لوٹا۔ سب لندن لے گئے۔ سُنو۔ وہ اپنی کتابیں انتہائی احتیاط سے صندوقوں میں رکھتا تھا۔" (۴۹)

اچھے دلوں کے سہانے خواب دیکھنا ہر شخص کی فطرت میں شامل ہے۔ قرۃ العین حیدر بھی اپنے ناول "چاندنی بیگم" میں چاندنی کے کردار کو اسی صورت حال سے دوچار دکھاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ قسمت کی دیوی اس پر مسکراتی رہتی ہے لیکن مہربان نہیں ہوتی اور "چاندنی بیگم" زندگی کو ایک نئی امید کے ساتھ بسر کرتی ہے۔ چاندنی بیگم کے والد ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر جاتے ہیں مگر چاندنی بیگم اور اس کی والدہ ہندوستان میں ہی رہ جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد چاندنی بیگم کی والدہ کی وفات ہو جاتی ہے اور وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ چاندنی بیگم کی والدہ علیمہ بیگم نے اپنی ایک دوست جو امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے اس کے بیٹے قمبر علی کو اپنی بیٹی چاندنی بیگم کے لئے پسند کرتی ہے۔ علیمہ بیگم کی بے وقت موت کے سبب قمبر اور چاندنی کا رشتہ بھی طے نہیں ہو پاتا۔ قمبر ایک چلا نامی طوائف سے شادی رچا لیتا ہے۔ قمبر سے شادی نہ ہونے کے بعد چاندنی بیگم ایک نیم پاگل شخص وقار حسین سے شادی رچانے کے سہانے خواب دیکھنے لگ جاتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے چاندنی بیگم کے مستقبل کے سہانے خوابوں میں جھانکنے کا منظر غالب کے درج ذیل شعر کے ساتھ بڑے خوبصورت انداز میں یوں پیش کیا ہے۔

؎ دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے (۵۰)

''مانک بائی کی آیا دل بہار ایک بید کے نیچے کھڑی سُونا کلی سے باتیں کر رہی تھی۔سونا کلی کے ہاتھ میں آفتابہ تھا۔ بید کی نازک ڈالیاں ہری پھواروں کی طرح ان دونوں کے اوپر گر رہی تھیں۔دل بہار نے چوڑی تن زیب کی کُرتی اور آڑی گوٹ کا گھُٹنا پہن رکھا تھا۔سُونا کلی نے ڈوریا کی قمیص اور زرد اور کاسنی دھاری اور گلبدن کا کھڑا پاجامہ پہنا۔زرد ململ کے ڈوپٹے اوڑھے وہ دونوں لڑکیاں وَتی، مغل، راجپوت، راگ مالاؤں کی تصویر ''بسنت'' کی ایسی نظر آ رہی تھیں۔ پھاگن کی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔فضا میں خنکی تھی۔ پھاگن کی رت آئی رے ذرا باجے بانسری بال موہن ہرجائی رے۔ذرا باجے ـــــ ستارہ کا ایک قدیم ریکارڈ باجی اماں کو بہت پسند تھا۔بہار ٹھنڈ سے درختوں کے پیچھے سے جھانک رہی ہے۔آم کے پیڑوں میں بور آ چکا ہے۔اب پتنگ کی باری تھی۔سارے بچے ہنستے غل مچاتے اس کے تعاقب میں دوسری سمت بھاگ گئے۔لورن پھر جھولے پر جا بیٹھی۔چاندنی پنڈت جی کی نئے کے پاس سے گزریں۔

''اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے''

چونک کر دیکھا۔سامنے وکی کھڑے مسکرا رہے تھے''۔(۵۱)

غالب کی مانند قرۃ العین حیدر کے ہاں بھی تصورِ عشق ایک ہی ڈگر پر چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔عاشق اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر عشق کی نئی نئی راہیں تلاش کرتا ہے اور ایک باشعور فرد کی مانند عقل سے کام لینے کی بجائے دل کے ہاتھوں مجبور و بے بس نظر آتا ہے۔قرۃ العین حیدر کے ایک ناولٹ ''چائے کے باغ'' میں صنوبر نامی خاتون عشق و محبت میں مبتلا دکھائی گئی ہے۔وہ اس معاملہ میں مختلف افراد سے شادی بیاہ رچاتی ہے۔چنانچہ صنوبر کا کردار غالب کی مانند ایک مرنجان مرنج اور شوخ طبیعت کا مالک ہے۔جس بنا پر قرۃ العین حیدر کے ہاں غالب کا تصورِ عشق نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور وہ غالب کے درج ذیل شعر کا حوالہ دیتے ہوئے صنوبر کی داستانِ محبت ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔

؎ عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے (۵۲)

''صبح اُس (صنوبر) نے شمشاد کے دفتر جانے کے بعد اسباب باندھا اور بچے کو ساتھ لے کر میکے روانہ ہو گئی وہاں اُس نے اپنے والد ڈاکٹر ظفر علی کے سامنے ہاتھ پاؤں جوڑے کہ وہ خلع حاصل کرنے میں اس کی مدد کریں۔وہ ایک نہایت وضعدار آدمی ہیں۔انہوں نے اس سے التجا کی کہ وہ شمشاد کے پاس واپس چلی جائے کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ قصور سراسر صنوبر کا تھا۔شمشاد اس کے لئے آئیڈیل شوہر ثابت ہوا تھا مگر ہے یہ وہ آتش غالب ـــــ وغیرہ وغیرہ۔چنانچہ صنوبر کلکتے گئی اور چند دوستوں کی مدد سے عدالت میں خلع کی درخواست دے دی......چند ماہ بعد صنوبر نے خلع حاصل کر لیا لیکن اُسے اپنے بچے سے دستبردار ہونا پڑا۔بچہ اب اپنی دادی اور پھوپھیوں کے ساتھ ڈھاکے میں تھا......ڈھاکے میں صنوبر نے اپنا نیا گھر اسی خوش سلیقگی اور نفاست سے سجایا جس طرح وہ آسام میں اپنے بنگلے دلہن کی طرح سجائے رکھتی تھی۔وہ ایک بڑی مرنجان مرنج اور خاموش طبیعت لڑکی ہے اور اُسے دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آ سکتا تھا کہ اُس نے سر پر کفن باندھ کر ایسا طوفانی اور بلا خیز عشق کس طرح کر ڈالا تھا۔بہر حال اب وہ بیگم شمشاد کے بجائے بیگم قاسم تھی اور بے حد مسرور۔''(۵۳)

مرزا اسد اللہ خاں غالب شراب کے بے حد رسیا تھے اور انہیں دیسی شراب پینے سے نفرت تھی چنانچہ وہ اعلیٰ قسم کی شراب نوش کرتے اور اپنے لئے بالخصوص انگور کے عرق سے تیار شدہ شراب پینا باعثِ فخر تصور کرتے تھے۔غالب اپنی شراب نوشی کو

جمشید (جو ایران کا بادشاہ تھا، جس سے شراب کی ایجاد منسوب ہے) سے منسوب کرتے ہوئے اپنا مرتبہ و شان حد درجہ بلند و اعلیٰ سمجھتے ہوئے یہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو فقط جمشید کے پیالے کی تلچھٹ پینے والے ہیں۔ چنانچہ غالبؔ ایسی شراب پر اظہار افسوس کرتے ہیں جو انگور کے رس سے تیار نہ کی گئی ہو۔ جس کا اظہار غالبؔ نے یوں کیا ہے۔

؎ صاف دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ　　　وائے! وہ بادہ افشردہ انگور نہیں (۵۴)

قرۃ العین حیدر نے بھی غالبؔ کے مندرجہ بالا شعر کی روشنی میں ایک لوابی خاندان کے ایک فرد رستم جی پسٹن جی کا تعارف جام جم کی تلچھٹ کی تشبیہ کے ساتھ کروایا ہے۔ جس سے مرزا غالبؔ کے افکار و نظریات کی واضح طور پر عکاسی قرۃ العین حیدر کے ہاں نظر آتی ہے۔ یہی قرۃ العین حیدر کے فن کی اعلیٰ خصوصیت ہے جس سے اس کی تحریروں کے مطالعہ سے ایک غالب شناس ساتھ ساتھ لطف اندوز بھی ہوتا رہتا ہے۔

''آج اس وقت' گلابی جاڑوں کی اس خوشگوار رات رستم و سہراب کی مضحکہ خیز ٹریجک نسلی یادگار ہے چارے گجراتی پارسی رستم جی پسٹن جی جو جام جمشید کی تلچھٹ کی بھی تلچھٹ کی ایک بوند تھے' جب بے چارے جمجو کو بڑے شیکسپیرین انداز میں ''گڈ نائٹ سویٹ پرنس'' کہہ کر باہر گئے تو فیوڈل عیش پرستی کی یادگار رنگز ار بائی نے دل میں سوچا ـــــ لکھنؤ میں دوسری ہی رات ایک لوابی خاندان سے گھو کی ملاقات ـــــ نیک شگون ہے ـــ'' (۵۵)

مارچ کا مہینہ امتحانات کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ امتحانات کے معاملہ میں قرۃ العین حیدر کسی اور پرچہ کے متعلق فکر مند نہیں البتہ غالب ان کے نزدیک ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی لئے وہ غالبیات کے پرچہ کی تیاری کے لئے بڑی متفکر نظر آتی ہیں۔ غالب کی غزلیات کی تشریح کرنا ہر خاص و عام کا کام نہیں۔ امتحانات کے قریب قریب قرۃ العین حیدر کے دوست و احباب سیر و سیاحت کی غرض سے بنارس جانے کو تیار ہوئے۔ سیر و سیاحت کے ساتھ ساتھ انہیں امتحان سے گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس عالم میں طلبہ و طالبات سیر و سیاحت کے ساتھ ساتھ امتحان کی تیاری بھی کرتے رہے اور غالب کی غزلیات کا مطالعہ بھی۔ جس سے قرۃ العین حیدر کی غالبیات سے گہری دلچسپی کا عنصر نمایاں ملتا ہے۔ جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہے۔

''مارچ کا مہینہ آیا اور لڑکیاں امتحان کے لئے بنارس جانے کو تیار ہوئیں۔ کمال اور ہری شنکر، نرملا اور طلعت کو اسٹیشن پہنچانے کے لئے آئے۔ تم چلو۔ ہمارے پرچے ختم ہو جائیں تو ہم بھی آتے ہیں پیچھے پیچھے بہت دنوں سے رام نگر کے آم نہیں کھائے۔ کمال نے کہا۔ یہ ان دونوں کا پرانا وطیرہ تھا۔ گرمیوں کی چھٹیاں آتی نہیں اور دونوں نے نکل گھر سے راہ جنگل کی لی سارے ملک کی خاک چھانتے پھرتے تھے جانے کہاں جاتے۔ اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا جلسہ ہے حیدرآباد دکن جا رہے ہیں۔ اندرا نہرو نے میٹنگ بلائی ہے الہ آباد کا قصد ہے۔ فلاں دوست کلکتہ میں اکیلا بور ہو رہا ہے ذرا وہاں تک ہو آئیں۔

''بنارس سے کہاں جاؤ گے۔''؟ نرملا نے پوچھا۔

''ارے ہم سنیاسی آدمی۔ ہمارا کیا پوچھتی ہو؟'' جدھر منہ اٹھایا نکل گئے۔ کمال نے منہ لٹکا کر کہا۔ لڑکیاں پلیٹ فارم پر اپنے سوٹ کیسوں کے پاس کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ ..... ہری شنکر فوراً پلٹ کر بڑی سنجیدگی سے حمیدہ بالو کے پاس گیا اور نہایت رعب اور وقار کے ساتھ اس کو سمجھانے لگا امتحان کے لئے غالبؔ کی کون کون سی غزلیں پڑھے۔ ٹرین آئی اور یہ دلچسپ قافلہ بنارس کی طرف

روانہ ہوگیا۔'' (۵۶)

قرۃ العین حیدر کے متعلق مندرجہ بالا مضمون کی روشنی میں ہم یہ بیان کر سکتے ہیں کہ قرۃ العین حیدر پر غالبؔ کے اثرات واضح اور نمایاں ہیں۔اسی وجہ سے اس نے غالبیات سے ذہنی لگاؤ کی بنا پر اردو ادب میں نہ صرف مقام حاصل کیا ہے بلکہ اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔چنانچہ قرۃ العین حیدر کو حکومتِ ہند نے 1984ء میں ان کی غالب شناسی کو مدنظر رکھتے ہوئے قومی ایوارڈ ''غالب ایوارڈ'' سے نوازا۔

حوالہ جات

(۱)دیوان غالب (نسخہ حمیدیہ) ص۸۶ (۲) پکچر گیلری ص ۲۸ (۳)دیوان غالب ص۴۹ (۴)دیوان غالب ص۲۲ (۵) دیوان غالب ص۹۰ (۶) کوہ دماوند ص۳۶ (۷) پکچر گیلری ص۱۳۲ (۸) دیوان غالب ص۶۷ (۹) پکچر گیلری ص۸۷-۸۸ (۱۰) ستمبر کا چاند ص۸۱ (۱۱) دیوان غالب ص۶۱ (۱۲) چار ناولٹ ص۲۱۷ (۱۳) دیوان غالب ص۱۱۲ (۱۴) کار جہاں دراز ہے جلد سوم ص۹۶۷ (۱۵) دیوان غالب ص۲۲ (۱۶) ستمبر کا چاند ص۸۴ (۱۷) جہانِ دیگر ص۸۲ (۱۸) گلگشت ص۲۷ (۱۹) گلگشت ص۲۶-۲۷ (۲۰) قرۃ العین حیدر کے بہترین افسانے ص۱۵۸ (۲۱) آگ کا دریا ص۲۰۴ (۲۲) دیوان غالب ص۳۹ (۲۳) قرۃ العین حیدر کے بہترین افسانے ص۱۵۲ (۲۴) دیوان غالب ص۱۷ (۲۵) میرے بھی صنم خانے صفحہ۳۱ (۲۶) میرے بھی صنم خانے ص۱۲۲ (۲۷) دیوان غالب ص۲۲ (۲۸) ستمبر کا چاند کا آخری ص (am۸) دیوان غالب ص۶۵ (۲۹) گلگشت ص۱۷۸ (۳۰) دیوان غالب ص۸۶ (۳۱) کار جہاں دراز ہے جلد اول صفحہ نمبر۳۷ (۳۲) دیوان غالب ص۱۳۳ (۳۳) کار جہاں دراز ہے جلد اول صفحہ نمبر۳۱۶-۳۱۷ (۳۴) دیوان غالب ص۲۶ (۳۵) کار جہاں دراز ہے جلد اول صفحہ نمبر۲۱۲ (۳۶) دیوان غالب ص۱۱۲ (۳۷) کار جہاں دراز ہے جلد اول صفحہ نمبر۳۵۲ (۳۸) دیوان غالب ص۱۵ (۳۹) کار جہاں دراز ہے جلد اول صفحہ نمبر۳۹۷ (۴۰) کار جہاں دراز ہے ص۲۲۱ (۴۱) دیوان غالب ص۸۸ (۴۲) کار جہاں دراز ہے جلد دوم ص۶۸ (۴۳) دیوان غالب ص۵۶ (۴۴) کار جہاں دراز ہے جلد دوم ص۲۷ (۴۵) کار جہاں دراز ہے جلد دوم ص۹۸ (۴۶) کار جہاں دراز ہے جلد دوم ص۳۵۲-۳۵۳ (۴۷) ستاروں سے آگے ص۱۳۰-۱۳۱ (۴۸) گلگشت ص۱۲۲ (۴۹) چاندنی بیگم ص۳۸۵-۳۷۶ (۵۰) دیوان غالب ص ۵۶ (۵۱) چاندنی بیگم ص۱۳۰ (۵۲) دیوان غالب ص۹۵ (۵۳) چار ناولٹ ص۲۰۲-۲۰۳ (۵۴) دیوان غالب ص۵۲ (۵۵) چار ناولٹ ص۱۱۴ (۵۶) آگ کا دریا ۲۴۴

کتابیات

حمید احمد خاں مرتبہ دیوان غالب (نسخہ حمیدیہ) مجلس ترقی ادب، لاہور طبع دوم جون ۱۹۹۲ء
قرۃ العین حیدر آگ کا دریا۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ سال اشاعت 1999ء
قرۃ العین حیدر۔ پکچر گیلری۔ توسین لاہور۔ بار اول 1983ء
قرۃ العین حیدر۔ جہاں دیگر۔ مکتبہ اردو ادب بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ (س ن)

قرۃ العین حیدر۔ چارناولٹ (اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو، چائے کے باغ، دلربا، سیتا ہرن)۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، سال اشاعت 1999ء
قرۃ العین حیدر۔ چاندنی بیگم۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ سال اشاعت 1999ء
قرۃ العین حیدر۔ ستاروں سے آگے۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ سال اشاعت 1995ء
قرۃ العین حیدر۔ ستمبر کا چاند۔ مکتبہ اردو ادب بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ (س ن)
قرۃ العین حیدر۔ قرۃ العین حیدر کے بہترین افسانے۔ چوہدری اکیڈمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فروری 2000ء
قرۃ العین حیدر۔ کارِ جہاں دراز ہے، جلد اول۔ مکتبہ اردو ادب بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ (س ن)
قرۃ العین حیدر۔ کارِ جہاں دراز ہے، جلد دوم۔ مکتبہ اردو ادب بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ (س ن)
قرۃ العین حیدر۔ کارِ جہاں دراز ہے۔ جلد سوم۔ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ سال اشاعت 2001ء
قرۃ العین حیدر۔ گلگشت۔ مکتبہ اردو ادب بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ (س ن)
قرۃ العین حیدر۔ میرے بھی صنم خانے۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ سال، اشاعت 2000ء